13۔ کیا واقعی دنیا گول ہے؟

ابن انشا (1927ء۔ 1978ء)

تعارف: ابن انشا کا اصلی نام شیر محمد تھا۔ وہ ۱۹۲۷ء میں ضلع جالندھر کی تحصیل پھلور کے گاؤں تھلہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام منشی خاں تھا۔ ابتدائی تعلیم آبائی علاقے سے حاصل کی۔ میٹرک لدھیانہ سے کیا، غربت کے باعث تعلیم روک دی البتہ معمولی ملازمت کے ساتھ پرائیوٹ طور پر امتحان دیتے رہے اور بی۔ اے کر لیا۔ آل انڈیا ریڈیو میں مختلف فن پاروں کے ترجمے کرتے رہے۔

تقسیم کے بعد لاہور منتقل ہوئے اور ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہو گئے، محنت کی بدولت پاکستان نیشنل بک کے سربراہ اور بعد میں یونیسکو کے پاکستان آفس کے ڈائریکٹر منتخب ہوئے۔ اس ادارے سے وابستگی کے تحت بہت سے ممالک کی سیاحت کی۔ ابن انشا بحیثیت شاعر مزاح نگار، نقاد، کالم نویس اور بحیثیت سفر نامہ نگار اردو ادب میں معروف ہیں۔ ابن انشا ۱۹۷۸ء میں فوت ہوئے۔

تصانیف:۔ آوارہ گرد کی ڈائری، ابن بطوطہ کے تعاقب میں، چلتے ہو تو چین کو چلیے، دنیا گول ہے۔ (سفر نامہ)

شعری مجموعے۔ چاند نگر، اس بستی کے اک کوچے میں، دل وحشی

کالم کے مجموعے:۔ خمارِ گندم، اردو کی آخری کتاب

روز نامہ:۔ ”امروز“ میں خانہ بدوش کے قلمی نام سے جبکہ جنگ میں ”حرف وحکایت“ کے عنوان سے لکھتے رہے۔

مشکل الفاظ کے معانی:

صفحہ 64۔ دھرتی کا گز بننا (زیادہ سفر کرنا، زمین کو ناپنا) بحرظلمات (بحر: بڑا سمندر، ظلمات: ظلمت کی جمع یعنی تاریکیاں، بحر اوقیانوس) چپٹی (پچکی ہوئی، برابر) پیکنگ (چین کا دارالحکومت) پیرس (فرانس کا دارالحکومت) کوپن ہیگن (ڈنمارک کا دارالحکومت) کولمبو (سری لنکا کا صدر مقام) جکارتہ (انڈونیشیا کا صدر مقام) دم لیا (آرام کیا، سانس لیا، قیام کیا) تھان (جگہ مقام، رہنے کی جگہ) بدیہی (واضح، صاف، ظاہری) کٹورا (کسی دھات یا مٹی کا بنا ہوا پیالہ) اوندھا (اُلٹا، منہ کے بل) پیندا (برتن کا نچلا حصہ) حلقہ (دائرہ) دانش مند (عقلمند) سند باد (الف لیلی کی افسانوی کہانیوں کا ایک مرکزی کردار، جہاز ران) نادیدہ (ان دیکھے) پیرتسمہ پا (پیچھا نہ چھوڑنے والا، چمٹ جانے والا) مڈبھیڑ ہونا (آمنا سامنا ہونا) شہزادی مہرافروز (حیدر بخش حیدری کی داستان آرائشِ محفل کا ایک مرکزی کردار شہزادی) جان سے عاشق ہونا (شدید عاشق ہونا، دیوانہ وار عاشق ہونا) امکان (ممکن ہونا، موقع) حاتم طائی (عرب کے قبیلے طے کا سربراہ جو سخاوت کی وجہ سے معروف تھا) منیر شامی (داستان آرائش محفل کا دوسرا مرکزی کردار جو شہزادی مہرافروز پر عاشق ہو گیا تھا) انڈے کے برابر موتی (انڈے کی جسامت کے برابر موتی) کوہِ ندا (ایک پہاڑ کا نام، جس کے متعلق تفصیل مہرافروز نے پانچویں سوال میں مانگی) ڈھاکہ (بنگلہ دیش کا شہر) بنکاک (تھائی لینڈ کا شہر) سنگاپور (جزائر کا مجموعہ) دمِ تحریر (لکھتے وقت) زیورِ طبع سے آراستہ ہونا (چھپ کر تیار ہونا، اشاعت ہونا) بلاخیز (مصیبتوں بھرا، ہیبت ناک) قافلہ سخت جاں (حوصلے سے مصیبتیں برداشت کرنے والا قافلہ) رشک (برابری کی خواہش) قید مقام (رُکنا، کسی جگہ ٹھہرنے کی پابندی) ترل (خوشی کی لہر، جوش وجذبہ) قوام والا پان (چاشنی یا شیرے والا پان) کلے میں (گال میں) داستان امیر حمزہ (امیر حمزہ کی کہانیاں یہاں مراد ہے فرضی قصے کہانیاں) لمبی تان کر سونا (اطمینان سے سونا) چندے قیام (کچھ روز، کچھ عرصہ مختصر قیام) راحت (سکون) فارن ایکسچینج (غیر ملکی کرنسی) ٹنٹا (جھگڑا، مسئلہ) پھیرے (چکر) قیام نامہ (سفر نامہ کا الٹ، کسی جگہ مقیم ہو کر تحریر کرنا) حریف (مخالف، مدِ مقابل) ناظرین (دیکھنے والے، ناظر کی جمع) صبر و قرار لوٹنے والے (حسن والے، محبوب، جن کو دیکھ کر آدمی کا صبر اور سکون چھن جائے)

صفحہ 65۔ بقچی (سامان کی گٹھڑی، بریف کیس) ناز (نخرے) بالعموم (عام طور پر) اجمال (اختصار) اپوا (APWA)
پاکستان وومن ایسوسی ایشن کا مخفف) کانووکیشن (جلسہ تقسیم اسناد) خریطہ (لفافہ، تھیلی) تلمذ (شاگردی) بے غل وغش (بلا تکلف
بے پروائی سے، بے دریغ) فلسفہ (کائنات کے حقائق کو دلائل کے ساتھ حکیمانہ طریقے سے جاننے کی کوشش کرنا) امان ملی (پناہ ملی)
فضائل (خوبیاں، اوصاف) اصطلاح (کسی لفظ کو اُس کے لغوی معنی کی بجائے خاص مفہوم میں ادا کرنا)

سبق کا خلاصہ

(بہاول پور 2008,12، ملتان بورڈ، ڈیرہ غازی خان 2006، سرگودھا 2010، ملتان 2006,07,09,10، راولپنڈی 13،)

ابن انشا اپنے بھرپور ذاتی مشاہدے کا نچوڑ بتاتے ہیں کہ دنیا گول نہیں بلکہ چپٹی ہے۔ دنیا سے زیادہ ہم خود گول ہیں۔ اس وجہ سے پیکنگ سے پیرس، کوپن ہیگن سے کولمبو اور آخر جکارتہ میں جا پہنچے۔ دنیا کے گول ہونے کے حق میں دلائل دینے والوں کے دلائل سن کر ہم متفکر ہو جاتے ہیں کہ کہیں ہم اس گولائی کی وجہ سے نیچے ہی نہ گر پڑیں۔ دنیا کے سفر کا انجام اس عاقبت نااندیش لڑکے کی طرح ہے جو تیل لینے گیا تو خالی ہاتھ واپس آیا۔ ہم سفر پر نکلے تو صبح کراچی میں اور دوپہر ڈھاکے میں، رات بنگال میں اور دمِ تحریر سنگاپور میں ہیں۔ کیا معلوم کہ مضمون کی طباعت کے وقت ہم کہاں ہوں گے۔

ایسے لوگوں پر رشک آتا ہے جو گھر سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ زیادہ سے زیادہ گوجرانوالہ تک کے مسافر بنتے ہیں اور اگلے دن پھر گھر آ دھمکتے ہیں۔ گھر میں سکون سے بیٹھ کر داستانِ امیر حمزہ پڑھنے میں اور لمبی تان کر سونے میں جو مزہ ہے وہ دربدر کے دھکوں میں کہاں؟ قیام کی برکات بہت زیادہ ہیں۔ اگر ہمیں قیام کا موقع ملا، تو ایسا قیام نامہ لکھیں گے کہ لوگ حریفوں کے سفرناموں کو بھول جائیں گے۔ پیارے ناظرین! سفر کا ارادہ کبھی نہ کرنا۔ سامان اور صبر و قرار کے لٹنے کا خطرہ رہتا ہے۔ باہر کے ملکوں میں قلی بھی خود بننا پڑتا ہے۔

ہم ڈاکٹری کی ڈگری کے حصول کے لیے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔ ہم از خود اعزازی ڈاکٹر بن گئے ہیں۔ بیرونِ ملک سفر کے دوران، میرے تمام ہمسفر ایرانی و تر کی ڈاکٹر تھے۔ وجیہہ ہاشمی اپوا کی انٹرنیشنل سیکرٹری بھی تھیں۔ ہم نے دورانِ تقریب ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی۔ میرے ہمسفروں کو بے شمار ادویات اور نسخے یاد تھے، انھوں نے ہم سے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔ جب کوئی ادویات کی بات کرتا تو ہم علم و فلسفہ کے ڈاکٹر بن جاتے۔ علم اور فلسفے کے ڈاکٹروں کے سامنے طبی ڈاکٹر بن جاتے۔ اگر کوئی دونوں طرح کے سوالات چھیڑتا تو ہم ہومیوپیتھی کے آنگن میں پناہ ڈھونڈتے اور بعض اوقات ہمیں دانتوں کا ڈاکٹر بننا پڑتا۔ جب غیر ملکیوں نے ہمیں ڈاکٹر تسلیم کر لیا ہے تو اہلِ وطن کو معترض نہیں ہونا چاہیے۔

مشقی سوالات

سوال 1 درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں۔

(i) کیا واقعی دنیا گول ہے کے مصنف کا نام کیا ہے؟

(الف) پطرس بخاری ✓ (ب) ابن انشا (ج) مشتاق احمد یوسفی (د) کرنل محمد خان

(ii) مصنف نے کس شہر میں جا کر دم لیا؟

(الف) پیکنگ (ب) کوپن ہیگن ✓ (ج) جکارتہ (د) کولمبو

(iii) لڑکے کے ہاتھ میں کیا تھا؟

(الف) پیالا (ب) گلاس (ج) پلیٹ ✓ (د) کٹورا

(iv) جب مصنف مضمون لکھ رہا تھا تو وہ کس شہر میں تھا؟

(الف) بنکاک (ب) کولمبو ✓ (ج) سنگاپور (د) کراچی

سوال 2 مختصر جواب دیں۔

(i) کیا دنیا واقعی گول ہے؟

جواب دنیا کے گول ہونے پر اصرار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یقین نہ ہو تو مشرق کی طرف سے جاؤ چکر کاٹ کر مغرب کی طرف سے پھر اپنے تھان پر آ کر کھڑے ہو گے۔ لیکن مصنف کو تو ہر چیز چپٹی ہی نظر آئی۔

(ii) حاتم طائی کیا تلاش کرنے نکلا تھا؟

جواب وہ منیر شامی کی محبوبہ کی فرمائش پر انڈے کے برابر موتی اور کو ہندا کی تلاش میں نکلا تھا۔

(iii) مصنف کے ساتھیوں کا تعلق کس ملک سے ہے؟

جواب مصنف کے ساتھیوں کا تعلق ترکی اور ایران سے تھا۔

(iv) فضل الباری کون تھے؟

جواب فضل الباری پاکستان کے وزیر صحت تھے۔

(v) مصنف کے ہم وطنوں کو اس کے ڈاکٹر کہلوانے پر کیوں اعتراض نہیں کرنا چاہیے؟

جواب ابن انشا کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری مل چکی تھی اس بنا پر غیر ملکی ان کی ڈاکٹری کے قائل تھے۔ اپنے ہم وطنوں سے مطالبہ کیا ہے کہ انھیں باقاعدہ ڈاکٹر کہہ کر بلایا جائے۔

سوال 4 مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیں۔

جواب

الفاظ	معانی
اصرار	ضد کرنا، کسی بات کو بار بار کہنا
بدیہی	ظاہری طور پر، واضح
پیرِ تسمہ پا	پیچھا نہ چھوڑنے والا
دمِ تحریر	تحریر کے وقت، لکھتے وقت
زیرِ طبع	چھپنے والی، چھپائی کے مراحل سے گزرتا ہوا رسالہ یا کتاب

سوال 5 کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے جوڑیں اور درست جواب کو کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دھرتی کا	جگہ جگہ کے خطرات ہوتے ہیں	گز بنے
بحرِ ظلمات میں	کون سی منزل میں ہو	گھوڑے دوڑائے
کبھی سفر کا	کٹورا لے کر گیا تھا	ارادہ نہ کرنا
اجنبی دیسوں میں	ارادہ نہ کرنا	جگہ جگہ خطرات ہوتے ہیں
کون سی وادی میں ہو	گھوڑے دوڑائے	کون سی منزل میں ہو
	گز بنے	

سوال 6 مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیں۔

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
دھرتی	آکاش، آسمان	قیام	سفر
ماں	باپ	بالعموم	بالخصوص
باقاعدہ	بے قاعدہ		

سوال 7 خالی جگہ پر کریں۔

(i) ہمیں ہمیشہ ایک ہی بدیہی خطرہ نظر آیا

(ii) برخوردار نے کٹورا اوندھا کر کے کہا۔

(iii) اے دوستو! اب کیا ہو سکتا ہے

(iv) ہم ڈاکٹر ہو ہی گئے۔

(v) ہم میڈیکل ڈاکٹروں کے سامنے علم و ادب کے ڈاکٹر بنتے ہیں۔

اہم عبارات کی تشریح

عبارت نمبر 1:

(ملتان بورڈ 2009ء)

ہم اس دھرتی کا گز بنے اور بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑا آئے لیکن ہمیں تو ہر چیز چپٹی ہی نظر آئی۔ دنیا سے زیادہ تو ہم خود گول ہیں کہ پیکنگ سے لڑھکے تو پیرس پہنچ گئے اور کوپن ہیگن سے پھسلے تو کولمبو میں آ کر رُکے بلکہ جا کر تا پہنچ کر دم لیا۔ دنیا کے گول ہونے پر اصرار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یقین نہ ہو تو مشرق کی طرف سے جاؤ، چکر کاٹ کر مغرب کی طرف سے پھر اپنے تھان پر آ کر کھڑے ہوں گے۔ اس میں ہمیں ہمیشہ ایک بدیہی خطرہ نظر آیا کہ کہیں گولائی کی طرف رینگتے ہوئے نیچے نہ گر پڑیں کیوں کہ ہم کوئی چھپکلی تھوڑا ہی ہیں۔

نوٹ: (جو طلبا ہر عبارت کا الگ سے سیاق و سباق نہیں لکھ سکتے، وہ سبق ہذا میں سے دی گئی کسی بھی عبارت کی تشریح سے قبل یہ سیاق و سباق تحریر کر سکتے ہیں)

تشریح طلب اقتباس اُردو کی درسی کتاب کے سبق سے لیا گیا ہے جو مُصنف کی مشہورِ زمانہ کتاب ''دُنیا گول ہے'' سے منتخب کیا گیا ہے۔ سبق میں مصنف مزاح کے انداز میں سوال کرتے ہیں کہ کیا واقعی دنیا گول ہے؟ وہ بتاتے ہیں کہ ہم کل صبح کراچی میں تھے اور دوپہر ڈھاکہ میں گزاری۔ رات بنکاک میں گزری اور تادم تحریر سنگاپور میں ہیں۔ وہ پاکستانیوں سے مخاطب ہیں کہ یورپ والوں نے انھیں ڈاکٹر کے خریطے سے نواز دیا ہے تو پاکستانیوں کو بھی ہمیں ڈاکٹر کے نام سے پکارنے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

تشریح طلب اقتباس سبق کے .... سے لیا گیا ہے۔ (آغاز۔ درمیان۔ اختتام)

سیاق و سباق:

زیرِ تشریح اقتباس سبق کے شروع سے لیا گیا ہے اس لیے اس کا سیاق نہیں ہے۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ ایک لڑکا تیل لینے گیا۔ کٹورے میں ڈالنے کے بعد بھی تیل بچ گیا تو دکان دار نے پوچھا بھائی باقی کہاں ڈالوں؟ تو اس نے کٹورے کو اُلٹا کر کے کہا، کہ یہاں اس کے پیندے میں۔ اور جب ماں نے پیندے میں تھوڑا سا تیل دیکھ کر پوچھا کہ باقی کہاں ہے؟ تو اس نے کٹورے کو اُلٹ کے کہا باقی یہاں ہے۔ غرض مصنف دنیا کی گولائی کا ثبوت لینے چل کھڑے ہوئے۔ لیکن اب وہ مشکل میں پھنس گئے ہیں کیوں کہ اب انھیں لگتا ہے کہ دنیا ہی نہیں وہ خود گول

ہیں۔اس لیے وہ دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں کہ کبھی سفر کا ارادہ نہ کریں۔مزید کہتے ہیں کہ جب وہ سفر سے وطن لوٹیں تو انھیں ڈاکٹر کہہ کر پکارا جائے کیوں کہ ان کی اس حیثیت کو غیر ملکی بھی مان چکے ہیں۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف بیان کرتے ہیں کہ ہم نے دنیا کے گول ہونے کا ثبوت حاصل کرنے کے لیے دنیا کے کونے کونے کی خاک چھان ماری۔ دنیا کی کوئی جگہ ایسی نہیں ہوگی جہاں سے ہم نہ گزرے ہوں۔ ہم زمین کو ناپنے کے لیے گھر سے نکل کھڑے ہوئے جیسے ہم کوئی گز ہوں۔ ہم نے سفر کے معاملے میں مسلمانوں کی روایت کی تقلید اور پیروی کر کے دکھادی اور یہ ثابت کر دیا کہ:

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے　　بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

ہم نے خشکی اور تری کی سیر کرڈالی۔ ہمیں تو ہر چیز چپٹی اور برابر نظر آئی۔ چاروں براعظموں پر اپنے قدموں کے نشان ثبت کیے۔ ہم نے اپنے سفر کی شروعات چین کے دارالحکومت پیکنگ سے کی، پھر لڑھکتے ہوئے فرانس کے دارالحکومت پیرس جا کے رُکے۔ ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن سے روانہ ہوئے تو چند ساعتوں کے لیے سری لنکا کے دارالحکومت کولمبو ٹھہرے اور پھر انڈونیشیا کے دارالحکومت جکارتہ جا کر آرام کیا۔ اگر دنیا کے نقشے کا بغور جائزہ لیا جائے تو مذکورہ شہر گولائی کی شکل میں ہیں۔ ان تمام شہروں کے سفر کرنے کے باوجود ہمیں دنیا کہیں بھی گول نظر نہیں آئی۔ دراصل گولائی کی شکل میں سفر کرنے کے بعد ہمیں خود بھی اپنا آپ دنیا سے زیادہ گول محسوس ہونے لگا ہے۔

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ جو لوگ زمین کے گول ہونے کے دعویدار ہیں، اُن کا کہنا ہے کہ اگر آپ کو یقین اور اعتبار نہ ہو، تو مشرق کی طرف سے سفر شروع کر کے مغرب کی طرف سے چکر کاٹ کر واپس وہیں پہنچیں گے جہاں سے سفر کا آغاز کیا تھا۔ لیکن اس میں ہمیں واضح خدشہ یہ نظر آیا ہے کہ ہم گولائی کی طرف رینگتے ہوئے نیچے ہی نہ گر پڑیں۔ ہم چھپکلی تو ہیں نہیں کہ جو نیچے نہیں گرتی اور چھت یا دیوار میں اپنے پنجے گاڑ کر وہیں چپک کر بیٹھ جاتی ہے۔ ہم انسان ہیں اور انسان کے اندر چھپکلی کی طرح چپکنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس لیے انسان کے گرنے کے زیادہ مواقع ہیں۔

عبارت نمبر 2:

ہم سوچتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو مشرق ہاتھ میں رہے، نہ مغرب۔ کیا عجب سند باد کی طرح کسی نادیدہ جزیرے میں جانکلیں جہاں کسی پیرِ تسمہ پا سے مڈبھیڑ کا بھی اتنا ہی خطرہ ہے جتنا کسی شہزادی مہر افروز کے ہم پر جان سے عاشق ہونے کا۔ بلکہ پہلا امکان کچھ زیادہ ہی ہے۔ تاہم اے دوستو! اب کیا ہوسکتا ہے۔ اب تو ہم دنیا کے گول ہونے کا ثبوت لینے کو چل دیے۔ گھر سے نکل پڑے جیسے حاتم طائی منیر شامی کی محبوبہ کی فرمائش پر انڈے کے برابر موتی اور کوہ ندا کی تلاش میں نکل گیا تھا۔ کل صبح ہم کراچی میں تھے، دوپہر ڈھاکے میں۔ رات ہماری بنکاک میں گزری اور دمِ تحریر سنگاپور میں ہیں۔

سیاق و سباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ وہ دنیا کے گول ہونے کا ثبوت لینے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن انھیں ہر چیز چپٹی نظر آئی اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ گول تو وہ خود ہیں۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں پر رشک آتا ہے۔ جنھوں نے کبھی ہوائی سفر نہیں کیا۔ کیوں کہ مصنف نے ساری دنیا کا کونا کونا کھنگال ڈالا تاکہ دنیا کے گول ہونے کا ثبوت مل سکے۔ لیکن وہ نصیحت کرتے ہیں کہ یہ صرف اور صرف وقت کا ضیاع ہے اور اب مصنف کہتے ہیں کہ جب وہ وطن واپس آئیں تو انھیں ڈاکٹر کہہ کر پکارا جائے۔ کیوں کہ اب تو غیر

ملکیوں نے بھی انھیں ڈاکٹر تسلیم کرلیا ہے۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ دنیا کے گول ہونے کے حق میں دلائل دینے والوں کا قول ہے، کہ مشرق سے روانہ ہوکر مغرب کا چکر کاٹ کر پھر اپنے مقام مشرق میں آ کھڑے ہوں گے۔ ان کے قول کا ثبوت حاصل کرنے کی امید میں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم مشرق سے بھی تہی دست ہو بیٹھیں اور مغرب سے بھی۔ یہ خدشہ بھی ہے کہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہی پھنس کر رہ جائیں اور کہیں بھی نہ پہنچ سکیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے۔ جس طرح ''الف لیلیٰ'' داستان کا ایک معروف کردار سند باد، مشکلات و مصائب کی پروا کیے بغیر مختلف مہمات کو سر کرتا ہوا، اَن دیکھے جزیروں میں جانکلتا۔ جہاں اس کے پیچھے ایک ایسے پیر کے لگ جانے کا امکان ہوتا جو کسی طرح بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ ساتھ ہی یہ خطرہ بھی امکان میں ہوتا کہ کہیں شہزادی مہر افروز اس پر دل و جان سے فریفتہ ہوجائے۔ اسی طرح ہم بھی سند باد کی طرح ان دیکھے علاقوں کو دیکھنے کے شوق میں، کہیں ایسی جگہ جانکلیں جہاں مشکلات و مصائب کا باعث بننے والے کردار سے سابقہ پڑے، یا کوئی شہزادی ہم پر جان سے عاشق ہوجائے۔

دورانِ مہم ہم پر کسی شہزادی کے عاشق ہونے کی امید تو نہیں ہے بلکہ کسی مشکلات و مصائب کا باعث بننے والے کردار سے مڈ بھیڑ کا امکان کچھ زیادہ ہی ہے۔ کیوں کہ مصیبتیں بغیر اطلاع کے آجاتی ہیں اور پھر کسی طرح بھی دامن نہیں چھوڑتیں۔ مگر اب کیا ہوسکتا ہے۔ ہم تو عادت سے مجبور ہوکر سفر پر نکل چکے ہیں کہ:

تلاطم ہائے بحرِ زندگی سے خوف کیا معنی؟   جو دیوانے ہیں وہ موجوں کو بھی ساحل سمجھتے ہیں

اب تو راستے میں مصیبتوں کے پہاڑ آئیں یا مشکلات و پریشانیاں لاحق ہوں اس سے کیا ہوتا ہے۔ منزل کی امید پر سفر پر رواں دواں ہیں۔ بقول شاعر:

انساں ذرا سیر کرے گھر سے نکل کر   دنیا ہی میں ملتے ہیں اُسے دوزخ و جنت

ہم تو دنیا کے گول ہونے کا ثبوت حاصل کرنے کے لیے سفر پر چل دیے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح قدیم داستان آرائش محفل میں حاتم طائی، داستان کے اہم کردار منیر شامی کی محبوبہ کی فرمائش پر انڈے کے برابر موتی اور کوہ ندا کی تلاش میں نکلا تھا۔ کل صبح ہمارا مسکن کراچی تھا۔ دوپہر بنگلہ دیش کے شہر ڈھاکہ میں اقامت ہے۔ رات ہماری تھائی لینڈ کے شہر بنکاک میں بسر ہوئی اور تحریر لکھتے وقت ہم سنگاپور میں براجمان ہیں۔

عبارت نمبر 3

(ملتان بورڈ 2008، لاہور بورڈ 2012ء)

رشک آتا ہے کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ کبھی قیدِ مقام سے نہیں گزرتے۔ گوجرانوالہ تک گئے بھی تو دوسرے روز گھر لوٹ آئے۔ ہم سے پوچھیے جو مزا اور تھرل ململ کا کرتا پہن، قوام والا پان کلّے میں دبا، ٹانگ پر ٹانگ دھرے گھر میں ''داستان امیر حمزہ'' پڑھنے اور لمبی تان کر سونے میں ہے وہ جگہ جگہ مارے مارے پھرنے میں کہاں؟ قیام کی راحتیں اور برکتیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ نہ پاسپورٹ کی فکر نہ ویزا کے لیے بھاگ دوڑ۔ نہ فارن ایکسچینج کا ٹنٹا، نہ ہوائی کمپنیوں کے دفتروں کے پھیرے کہ بھائی ایک سواری ہم بھی ہیں۔ بٹھالو۔ ہمیں کہیں چندے قیام کا تجربہ ہو تو ایسا زبردست قیام نامہ لکھیں کہ لوگ حریفوں کے سفر ناموں کو بھول جائیں۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ وہ دنیا کے گول ہونے کا ثبوت لینے گھر سے نکلے۔ لیکن وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ گول تو وہ خود ہیں۔ اس سفر کے دوران انھیں بہت سی ایسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا [illegible] کو کرنا پڑا تھا

کیوں کہ وہ بھی انڈے کے برابر موتی اور کوہ ندا کی تلاش میں نکلا تھا۔

زیر تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ ہم نے بہت سے ملکوں کی سیر کی اور اس دوران ہم نے خود کو ڈاکٹر منوا ہی لیا۔ اب بے شک اہلِ وطن ہمیں ڈاکٹر نہ کہیں لیکن اب ہم ڈاکٹر بن چکے ہیں۔ کیوں کہ اب تو چند غیر ملکیوں نے بھی ہمیں ڈاکٹر تسلیم کر لیا ہے۔ اس لیے گزارش ہے کہ جب وہ وطن واپس آئیں تو انھیں ڈاکٹر کہہ کر بلایا جائے۔

تشریح:

زیر تشریح عبارت میں ابن انشاء بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں پر رشک آتا ہے۔ جو کبھی سفر کے بکھیڑوں میں نہیں پڑے اور سفر کی صعوبتوں اور مشکلات کا سامنا نہیں کیا۔ اپنے مقام پر ٹھہرنے کو اہمیت دیتے ہیں۔ اور اپنے شہر کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ ایسے لوگ تو خوش نصیب ہوتے ہیں جو ایک جگہ اپنی زندگی گزار دیتے ہیں۔ انھیں اگر بامر مجبوری گوجرانوالہ تک کا سفر کرنا پڑ جائے تو بڑی مصیبت اور کوفت محسوس کرتے ہیں اور دوسرے ہی دن اپنے گھر آ دھمکتے ہیں اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ تمھارا سفر کیسا رہا، تو کہتے ہیں ''السفر سقرا'' سفر مصیبت اور عذاب ہے۔

کوئی ہم سے رائے لے تو ہم اُسے بتائیں جو مزا، لطف اور جوش و جذبہ اور خوشی ململ کا نفیس اور باریک کرتا پہن کر شیرے والا میٹھا رسیلا پان منہ میں رکھ کر آرام و سکون اور راحت سے گھر بیٹھ کر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ''داستانِ امیر حمزہ'' پڑھنے اور پھر اطمینان اور بے فکری سے دیر تک سونے میں ہے۔ وہ جا بجا مارے مارے پھرنے میں کہاں نصیب ہوتے ہیں۔ سفر نہ کرنے میں اور ایک جگہ ٹھہرنے میں انتہائی سکون ہے۔ ایک جگہ اقامت اختیار کرنے میں اطمینان و راحت ہے، مزید قیام کی راحتیں اور برکتیں کیا کیا بیان کروں اور کہاں تک بیان کروں۔ جو دوسرے ملک کا سفر نہیں کرتے اُنھیں پاسپورٹ بنوانے کے مشکل اور تھکا دینے والے مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور نہ ہی ویزا بنوانے کے خرخشوں اور جھنجٹوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اور نہ انھیں اس بات کی فکر لاحق ہوتی ہے، کہ جس ملک میں گئے ہیں وہاں کی کرنسی کب اور کہاں سے موصول ہوگی؟ نہ ہی انھیں ٹکٹ کے لیے ہوائی کمپنیوں کے دفتروں کے بار بار پھیرے لگانے پڑتے ہیں، اور نہ ہی یہ بتانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ بھائی ایک سواری ہم بھی ہیں نظر کرم کیجیے گا، ہمیں نہ بھولیے گا۔ چناں چہ سفر میں اور پردیس میں بے پناہ مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بقول شاعر:

کیا گزرتی ہے بھری دنیا میں تنہا شخص پر ایک لمحے کے لیے خود سے بچھڑ کر سوچنا

ہمیں کچھ روز ایک ہی جگہ قیام کا موقع مل جائے، تو ہم اپنے قیام کے تجربات و مشاہدات پر مشتمل ایسا دلچسپ اور زبردست قیام نامہ تحریر کریں گے۔ کہ لوگ ہمارے مخالف سفر نامہ نگاروں کے سفر ناموں کو بھول جائیں گے۔ اور لوگ بڑے ذوق و شوق سے ہمارے قیام نامے کو پڑھتے رہ جائیں گے۔

عبارت نمبر 4:

او کراچی یونی ورسٹی والو! نہ دو ہمیں ڈاکٹری کی ڈگری۔ ہم ڈاکٹر ہو ہی گئے۔ یہاں کے لوگوں کا ہمیں ڈاکٹر انشا کہتے ہوئے منہ سوکھتا ہے۔ ہم بھی اپنے دستخط کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنا نہیں بھولتے۔ اجمال اس تفصیل کا یہ ہے کہ ہم جس قافلہ سخت جاں میں سفر کر رہے ہیں، ان میں بھی کچھ ترک ہیں، کچھ ایرانی، قریب قریب سبھی ڈاکٹر، پاکستانیوں میں فضل الباری صاحب وزیر صحت ہیں یعنی ڈاکٹروں کے بھی ڈاکٹر۔ مسئلہ فقط بیگم جیبہ ہاشمی کا تھا کہ اپوا کی انٹرنیشنل سیکرٹری ہیں اور اسلام آباد کی رہنے والی ہیں یا پھر ہمارا۔ لوگوں سے تعارف میں بڑی دقت ہوتی تھی۔

سیاق و سباق:

زیر تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ وہ دنیا کے گول ہونے کا ثبوت لینے گھر سے نکل کھڑے ہوئے جیسا کہ منیر شامی کی محبوبہ کی فرمائش پر حاتم طائی انڈے کے برابر موتی اور کوہ ندا کی تلاش میں نکلے تھے۔ لیکن مصنف کو دنیا کی

ہر چیز چپٹی ہی نظر آئی اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ خود گول ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں پر رشک آتا ہے جو کبھی سفر نہیں کرتے۔ کیوں کہ قیام کی حالت میں انسان کو جو سہولتیں میسر ہوتی ہیں سفر کی حالت میں وہ ان سے محروم رہتا ہے۔

زیر تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ ہم سفر کے دوران آخر کار اپنے آپ کو ڈاکٹر کہلوانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ اب ان کی اپنے ہم وطنوں سے گزارش ہے کہ جب وہ وطن لوٹیں تو انھیں ڈاکٹر کہہ کر پکاریں اور انھیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

تشریح:

زیر تشریح عبارت میں ابن انشا کراچی یونی ورسٹی کی انتظامیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں ڈاکٹر کی ڈگری نہیں دی۔ حالاں کہ کراچی یونی ورسٹی ساری دنیا کو اعزازی ڈگری دیتی رہتی ہے۔ لیکن ہمارے معاملے میں امتیازی سلوک روا رکھا ہوا ہے اور بے نیازی اور لاپروائی کا رویہ اپنایا ہے۔ بقول شاعر:

کوئی ہماری طرح عمر بھر سفر میں رہا　　　کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل

کوئی بات نہیں نہ دو ہمیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری۔ اب ہمیں بھی تمھاری پروا نہیں رہی۔ آخر ہم بھی ڈاکٹر ہو چکے ہیں۔ یہاں کے سبھی لوگ ہمیں ڈاکٹر کہتے ہیں اور ہمیں ڈاکٹر انشا کہتے کہتے ان کا منہ خشک ہوتا اور سوکھتا ہے۔ ہمیں بھی جب دستخط کرنے کا موقع ملتا ہے تو ڈاکٹر لکھنا ہرگز نہیں بھولتے۔ اس ساری تفصیل کا اختصار اور خلاصہ یہ ہے کہ ہم جس قافلے اور کارواں کے ساتھ سفر میں تھے۔ ان میں ہمارے شریک سفر کچھ ترک اور کچھ ایرانی تھے۔ وہ تقریباً سب کے سب ڈاکٹر تھے۔ پاکستانیوں میں فضل الباری صاحب وزیر صحت یعنی ڈاکٹروں کے بھی ڈاکٹر تھے۔ مسئلہ صرف بیگم وجیہہ ہاشمی کا تھا جو کہ خواتین کی کل پاکستان تنظیم (All Pakistan Women's Association) کی انٹرنیشنل سیکرٹری ہیں اور اسلام آباد کی رہنے والی ہیں یا پھر ہمارا مسئلہ تھا جو کہ ڈاکٹر نہیں تھے۔ ہمیں لوگوں سے تعارف کراتے ہوئے بڑی مشکل اور ندامت رہتی تھی۔ ہمیں ڈاکٹروں کے ماحول میں ڈاکٹر نہ ہونے کا شدت سے احساس ہوتا تھا۔ اس لیے ہم نے اس کا فوری حل نکالا اور ایک مختصر اور سنجیدہ جلسہ تقسیم اسناد میں ہم نے اور بیگم وجیہہ ہاشمی نے ایک دوسرے کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دے کر ڈاکٹر بنا دیا۔ اب ہم ڈاکٹر بن گئے ہیں اس لیے ہمیں ڈاکٹر کہہ کر بلایا جائے۔

عبارت نمبر 5:

(لاہور بورڈ 2006ء)

آخر ایک مختصر سی اور سنجیدہ سی کنووکیشن میں ہم نے انھیں اعزازی ڈاکٹر کی ڈگری پیش کی اور انھوں نے ہمیں ڈاکٹریٹ کے خریطے سے نوازا۔ انھیں اتنی دواؤں کے نام یاد ہیں اور اتنے نسخے کہ ڈاکٹر بھی ان کے تلمذ میں فخر محسوس کریں۔ لہٰذا ان کی ڈاکٹری بے شل و غش چل جاتی ہے۔ ہم میڈیکل ڈاکٹروں کے سامنے علم و ادب کے ڈاکٹر بنتے ہیں اور کوئی ادب و فلسفہ کا سوال کر بیٹھے تو میڈیکل ڈاکٹر ہونے کا عذر کرتے ہیں۔ ایک بزرگ نے دونوں طرح کے سوالات شروع کر دیے تو ہمیں ہومیوپیتھی میں امان ملی اور ہمیں اس کے فضائل پر تقریر کرنی پڑی۔

سیاق و سباق:

زیر تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ وہ دنیا کے گول ہونے کا ثبوت لینے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ جیسا کہ منیر شامی کی محبوبہ کی فرمائش پر حاتم طائی انڈے کے برابر موتی اور کوہ ندا کی تلاش میں نکلے تھے۔ لیکن مصنف کو دنیا کی ہر چیز چپٹی ہی نظر آئی اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ خود گول ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں پر رشک آتا ہے جو کبھی سفر نہیں کرتے۔ کیوں کہ قیام کی حالت میں انسان کو جو سہولتیں میسر ہوتی ہیں

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ ہم سفر کے دوران آخر کار اپنے آپ کو ڈاکٹر کہلوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب ان کی اپنے ہم وطنوں سے گزارش ہے کہ جب وہ وطن لوٹیں تو انھیں ڈاکٹر کہہ کر پکاریں اور انھیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں ابنِ انشاء کراچی یونی ورسٹی کی انتظامیہ کو مخاطب کرتے ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں ڈاکٹری کی ڈگری نہیں دی۔ حالاں کہ کراچی یونی ورسٹی ساری دنیا کو اعزازی ڈگری دیتی رہتی ہے۔ لیکن ہمارے معاملے میں امتیازی سلوک روا رکھا ہوا ہے۔ اور بے نیازی اور لاپروائی کا مظاہرہ کیا ہے۔ بقول شاعر:

کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل
کوئی ہماری طرح عمر بھر سفر میں رہا

کوئی بات نہیں، نہ دو ہمیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری۔ اب ہمیں بھی تمھاری پروا نہیں رہی۔ آخر ہم بھی ڈاکٹر ہو چکے ہیں۔ یہاں کے سبھی لوگ ہمیں ڈاکٹر کہتے ہیں اور ہمیں ڈاکٹر انشا کہتے کہتے ان کا منھ سوکھتا ہے۔ اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جس قافلے کے ساتھ سفر میں ہیں، ان میں ہمارے شریکِ سفر کچھ ترک ہیں اور کچھ ایرانی۔ وہ تقریباً سب کے سب ڈاکٹر ہیں۔ مسئلہ صرف میرا اور بیگم وجیہہ ہاشمی کا ہے جو کہ ڈاکٹر نہیں ہیں۔ ہمیں لوگوں سے تعارف کراتے ہوئے مشکل اور ندامت ہوتی تھی۔ اس کا ہم نے فوراً ہی حل نکالا اور خود ہی ایک مختصر اور سنجیدہ جلسہ تقسیم اسناد کا انتظام کیا، جس میں ہم نے بیگم وجیہہ ہاشمی کو ڈاکٹری کی اعزازی ڈگری پیش کی اور اس کے بدلے میں انھوں نے وہ تحصیلی دی، جس میں ڈاکٹریٹ کا سرکاری حکم نامہ تھا۔ ویسے بیگم وجیہہ ہاشمی کو بے شمار ادویات کے نام ازبر ہیں اور ان کی دواؤں کے نسخے اتنی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، کہ ڈاکٹر حضرات بھی ان کی شاگردی اختیار کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ انھیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان کی ڈاکٹری کو بھی بغیر کسی جھجک اور تکلف کے تسلیم کر لیتے ہیں۔ مسئلہ تو اصل میں ہمارا تھا، کہ ہم کسی بھی طرح سے ڈاکٹر دکھائی نہیں دیتے۔ چناں چہ ہم اپنی خامی اور کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لیے میڈیکل ڈاکٹروں کے سامنے علم و ادب کے ڈاکٹر بن جاتے ہیں اور کوئی ادب اور فلسفہ کا سوال کر دے تو ہم میڈیکل ڈاکٹر ہونے کا بہانہ بنا کر جان چھڑا لیتے ہیں۔

ایک بزرگ نے ادب و فلسفہ اور میڈیکل دونوں کے بارے میں سوالات شروع کر دیے تو ہم ایک دم بوکھلا گئے۔ ایسے میں ہماری چھٹی حس نے کام کیا اور ہم نے ہومیو پیتھی میں پناہ لی اور ہم نے ہومیو پیتھی کی خوبیوں اور خصائل پر تقریر کر ڈالی۔ جس سے ان بزرگ کو ہمارے ڈاکٹر ہونے کا یقین آ گیا۔ مصنف اہلِ وطن سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ کہ ہمارے شریکِ سفر ہمیں ڈاکٹر کہتے ہیں، بلکہ ڈاکٹر کہتے کہتے اُن کا منھ سوکھتا ہے۔ تو تمھیں بھی ہرگز اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ جب ہم وطن واپس آئیں تو ہمیں ڈاکٹر کہہ کر بلایا جائے۔